دبستانِ بہاول پور کے نمائندہ سرائیکی ناولوں کا تنقیدی جائزہ

A Critical Review of Representative Siraiki Novels of Dabistan e Bahawalpur

اطہر محمود لاشاری [i]   ڈاکٹر جاوید حسان چانڈیو [ii]

Abstract:

The Bahawalpur literary school holds the distinction of producing the first Siraiki novel. "Nazo" and "Pahaj" by Zafar Lashari are regarded as pioneering works and masterpieces in the early history of Siraiki fiction. Among the prominent novelists associated with this school are Hafeez Khan, Rahi Gabol, Musarrat Kalanchvi, Dilshad Kalanchvi, Qasir Fareedi, Saleem Shahzad and others, whose contributions significantly broadened the scope of Siraiki prose fiction. Their novels not only depict the richness of Siraiki culture and traditions but also bring to light the social, psychological, economic, and communal issues of the Siraiki region. The history of Siraiki fictional literature would remain incomplete without acknowledging the novels produced within the Bahawalpur literary school. This research paper undertakes a critical analysis of selected representative novels from the Bahawalpur school of Siraiki fiction.

Keywords: *Siraiki Novel, Dabistan-e-Bahawal Pur, Social Issues, Fiction, Siraiki Culture, Wasaib, Zafar Lashari, Dilshad Kalanchvi, Musarrat Kalanchvi, Hafeez Khan, Rahi Gabol, Qasir Fareedi, Saleem Shahzad.*

بہاول پور کے ادبی دبستان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے سرائیکی زبان کا پہلا ناول تخلیق کیا۔ ظفر لاشاری کے ناول ''نازو'' اور ''پہاج'' سرائیکی فکشن کی ابتدائی تاریخ میں نہ صرف اوّلین بلکہ شاہ کار تصانیف شمار کیے جاتے ہیں۔ اسی بہاول پور کے دبستان سے وابستہ نمایاں ناول نگاروں میں حفیظ خاں، راہی گبول، مسرت کلانچوی، دلشاد کلانچوی، قاصر فریدی، سلیم شہزاد اور دیگر شامل ہیں، جن کی تخلیقی کاوشوں نے سرائیکی افسانوی ادب کے دائرے کو نمایاں طور پر وسعت دی۔ ان کے ناول ایک طرف سرائیکی تہذیب و ثقافت اور روایات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں تو دوسری جانب سرائیکی خطے کے سماجی، نفسیاتی، معاشی اور اجتماعی مسائل کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ بہاول پور کے ادبی دبستان میں تخلیق کیے گئے ناولوں کے ذکر کے بغیر سرائیکی فکشن کی تاریخ نامکمل رہتی ہے۔ زیرِ نظر تحقیقی مقالہ دبستانِ بہاول پور سے تعلق رکھنے والے منتخب نمائندہ ناولوں کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: سرائیکی ناول، دبستانِ بہاول پور، معاشرتی مسائل، سرائیکی ثقافت، وسیب، ظفر لاشاری، دلشاد کلانچوی، مسرت کلانچوی، حفیظ خان، راہی گبول، قاصر فریدی، سلیم شہزاد۔

بہاول پور کی سرائیکی افسانوی نثری روایت پر نظر ڈالیں توں ۱۹۷۰ء سے ۲۰۲۰ء تک ظفر لاشاری کے ناول نازو سے لے کر حفیظ خاں کے ناول ادھ ادھورے لوک تک ۱۵ ناول ہیں، جنھوں نے اس دبستان کی افسانوی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ ان ۱۵ ناولوں میں ہم جنھیں نمائندہ ناول کہیں سکتے ہیں، وہ ۱۰ ہیں۔ جنھوں نے نہ صرف دبستانِ بہاول پور کی سرائیکی افسانوی روایت کو مضبوط کیا بلکہ اُس کے ادبی قد میں اضافے کا باعث بھی بنے۔ ان دس ناولوں پر ہم زمانی اعتبار سے تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔

نازو سرائیکی زبان اور دبستانِ بہاول پور کا پہلا نمائندہ ناول ہے۔ جو ۱۹۷۱ء میں چھپ کر سامنے

[i] اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ سرائیکی، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور (Corresponding Author)
[ii] پروفیسر(ر)، شعبہ سرائیکی، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور۔

آیا۔ جس کی کہانی تقسیمِ پاکستان کے منظر نامے کو بیان کرتی ہے، جو ایک ہندو بچی ''نازو'' کے ارد گرد گھومتی ہے۔ اس کہانی کی شروعات جمال پور کے ایک زمیندار گانمݨ سے ہوتی ہے، جس کی اپنی اولاد نہیں ہوتی۔ تقسیمِ پاکستان کے فسادات کے دوران اُسے ایک ہندو بچی حادثے کی صورت میں ملتی ہے۔ وہ اس بچی کو اپنے گھر لاتا ہے اور اپنی بیگم مریم کے حوالے کر دیتا ہے۔ مریم پہلے تو اُس بچی کے ہندو ہونے کی وجہ سے اُس سے دُور دُور رہتی ہے اور گانمݨ کے قائل کرنے پر اُسے اپنی بیٹی بنا لیتی ہے۔ اُس بے نام بچی کا نام وہ ''نازو'' رکھتے ہیں اور اُسے بڑے لاڈ اور پیار سے پالتے ہیں۔

نازو چاہے ظفر لاشاری کی تخلیق کی ہوئی پہلی کہانی ہے لیکن یہ فکری اور فنی اعتبار سے مضبوط کہانی ہے۔ اس ناول نازو میں دھرتی سے جڑے کئی موضوعات ہیں جس کے باعث اس ناول کے قد کاٹھ اور خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس ناول میں مونجھ، محبت، ڈر، خوف، تانیثیت، نصیحت اور رشتوں کے احساس وغیرہ جیسے کئی موضوعات ہیں جنھیں ظفر لاشاری نے بہت خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے۔ اس ناول میں جو سب سے بڑا اور آفاقی موضوع ہمیں نظر آتا ہے وہ مذہب سے بالاتر ہو کر انسانیت سے محبت کرنا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> اے شودی لاوارث اے۔ جیندی نہ ماء نہ پیو۔ ہُݨ تاں تیکوں ماء بݨنا پوسی تے میکوں پیو بݨ تے راہوݨا پوسی تے ہک ڳالھ میں تیکوں ݙسا ݙیواں توں ایجھے خیال دل وچ نہ آوݨ ݙتے کر۔ او نہ ہووے جو تیݙے خیال تیکوں تے میکوں ہک ہئے کینے جُدا کر ݙیون۔ میں انسانیت کوں سب توں اُتے سمجھداں تے انسان دی خدمت آپݨا پہلا فرض جاݨداں پر توں ایجھے کماں کینے ٹال مٹول کریندیں۔[1]

نازو موجودہ دور میں قاری کو ایک روایتی، رومانوی کہانی لگے گی، لیکن جس وقت یہ کہانی تخلیق کی گئی، اُس وقت اس سے جدید کوئی ناول یا کہانی سرائیکی زبان میں موجود نہیں تھی۔ اس لیے یہ اپنے وقت کی جدید اور منفرد کہانی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ کہانی دبستانِ بہاول پور کی سرائیکی افسانوی روایت کے ساتھ ساتھ سرائیکی زبان کے افسانوی ادب کو بھی مضبوط کرتی نظر آتی ہے۔ اس کہانی میں بہت ساری خوبیاں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک اس ناول کی بڑی خوبی انسانیت سے محبت کرنا ہے۔ ناول نگار نے اس کہانی میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ دین، دھرم کے جھگڑے ہمارے اپنے شروع کیے ہوئے ہیں۔ جب کہ کوئی بھی مذہب انسان کو نفرت کرنے کی تلقین نہیں کرتا۔

نازو ناول روایتی ضرور ہے مگر "نازو" اور "اختر" جیسے خوب صورت کردار اس کہانی کو مزید خوب صورت بناتے ہیں۔ گانمݨ جیسا انسانیت سے محبت کرنے والا کردار بھی اس ناول کا اہم کردار ہے۔ مریم اور نزہت جیسے کرداروں میں سرائیکی وسیب کی عورت کا مثبت اور منفی دونوں روپ دکھائے گئے ہیں۔ قادر بخش اور فرحت جیسے رشتوں سے محبت کرنے والے کرداروں کی بدولت کہانی میں مزید خوب صورتی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر رحمانی جیسا شفیق اور انسانیت سے محبت کرنے والا کردار اس کہانی کا مضبوط کردار نظر آتا ہے۔

نازو ناول میں فنی خوبیوں کا بھی ایک جہان آباد ہے۔ اس میں منظر نگاری، جُزئیات نگاری، تشبیہ، واقعات نگاری، جذبات نگاری، مکالماتی انداز اور زبان و بیان کی کئی ایسی خوبیاں ہیں جو اس کہانی میں موجود چھوٹی موٹی خامیوں کو ظاہر نہیں ہونے دیتیں۔ ظفر لاشاری نے نازو میں منظر نگاری کے فن کو شاندار انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی نثر کو پڑھتے ہوئے بندہ ایسے محسوس کرنے لگ جاتا ہے جیسے کسی بڑے شاعر کی نثری نظم پڑھ رہا ہو۔ منظر نگاری کا ایک نمونہ دیکھیں:

> سجھ کائنات کوں روشن کرݨ دا ارادہ کریندا پیا ہا ۔ آسمان تے ہلکا ہلکا سوجھلا ہا، پر زمین اجݨ تئیں اندھارے دی وٹھ اچ گُنگ ہئی ۔ چھرے تے جگارے دے تھکیڑے دی بے چینی دیاں نشانیاں ظاہر ہن ۔ گانمݨ ذال کوں نندر اچ مست ڈیکھ تے اوندے نیڑے آیا تے پیار بھریاں نظراں نال اوندے منہ کوں تاڑی کھڑا ریہا ۔ اوندے نازک نازک گلابی ہوٹھ تے لال چہرہ سویرے دی لالی دا مقابلہ پیا کریندا ہا ۔[۲]

ظفر لاشاری منظر نگاری ایسے کرتے ہیں جیسے قاری سبھی کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ نازو بھلے اُن کا پہلا ناول ہے لیکن الفاظ پر گرفت اور زبان کی پختگی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک منجھے ہوئے سرائیکی نثر نگار ہیں۔ ظفر لاشاری ایک طاقت وَر سوچ رکھنے والے لکھاری ہیں۔ اُنھوں نے نازو ناول کو عام کہانی کی طرح صرف رومانوی انداز میں بیان کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دھرتی کی محبت، انسانیت سے پیار، رشتوں کی قدر، اولاد کی مونجھ، مذہب سے بالاتر ہو کر انسانیت سے محبت کرنے اور سچی محبت کو حاصل کرنے جیسے کئی موضوعات اس کہانی کا حُسن ہیں۔ نازو نہ صرف سرائیکی زبان کا پہلا ناول ہے بلکہ بڑا ناول ہے جس میں بے شمار خوبیاں ہیں۔

اپٹی رت جو پاٹی تھئی ڈاکٹر منیر علوی کا ناول ہے۔ یہ دبستانِ بہاول پور کی سرائیکی نثری روایت کا دوسرا ناول ہے، جو ۱۹۷۲ء میں چھپ کر سامنے آیا۔ ڈاکٹر اسلم عزیز دُرانی کے بہ قول یہ وسیبی منظر نامے کو بیان کرنے والا ناولٹ ہے[3]، اس کی ضخامت ۸۰ صفحات ہے، جس میں گھر اور خاندان کے مسائل، معاشرتی اونچ نیچ، دیہاتی اور شہری زندگی کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ اس کی کہانی میں روہی کا منظر نامہ، شہر میں زندگی کے مسائل، رشتوں کی اہمیت اور خاندانی اختلافات سے پیدا ہونے والے مسائل جیسے موضوعات کا استعمال کیا گیا ہے۔ منظر نگاری اور جذبات نگاری فنی اعتبار سے بہتر ہیں، لیکن مکالمے کی کئی خامیاں بھی اس ناول میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یہ ایک عام روایتی کہانی ہے جس کا اسلوب عامیانہ ہے۔

دبستانِ بہاول پور کا تیسرا نمائندہ ناول ظفر لاشاری کا پہاج ہے، جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ پہاج ظفر لاشاری کے پہلے ناول نازو کی نسبت فکری اور فنی اعتبار سے زیادہ پختہ تخلیق ہے۔ اس میں سماج کے دُکھ، درد اور مقامی لوگوں کی زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول میں دوسری شادی کے بعد خاوند کی طرف سے پہلی بیوی کے ساتھ بے وفائی اور ظلم کو مرکزیت حاصل ہے۔ پہاج ناول کا مرکزی کردار رحیماں ایک آفاقی کردار ہے۔ جس کے بارے میں پروفیسر زوار حُسین لکھتے ہیں:

> ’’رحیماں‘‘ ناول دا لافانی تے نہ مرݨ آلا کردار اے۔ ایں ناول دی ہیروئن رحیماں ہے یا زرینہ دی بحث میڈے موضوع توں خارج اے۔ البتہ ساڈے وسیب دی بھر پور عکاسی جیہڑا کردار کریندا محسوس تھیندے او رحیماں دا کردار اے۔[4]

پہاج ایک اصلاحی کہانی بھی لگتی ہے۔ اس کا ہیرو نذر ہے، جو رحیماں سے محبت کرتا ہے۔ رحیماں روہی، چولستان میں رہنے والی ایک خوب صورت لڑکی ہے۔ جس کی شادی نذر سے ہوتی ہے اور وہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی زرینہ جیسی خاتون کو بطور سوتن برداشت کرتی ہے اور اُس کے مظالم کا شکار ہوتی ہے۔ زرینہ نذر کے بھائی فضل کی بیوی ہے جو اپنے دیور نذر سے شادی کی خواہش رکھتی ہے اور فضل کی وفات کے بعد وہ نذر سے شادی کر لیتی ہے۔ اس کہانی میں دو عورتوں کے کردار کی صورت میں ایک کو صابر، مظلوم اور دانا عورت کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ جب کہ دوسری کو ایک سفاک اور بے رحم عورت کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ رحیماں کا بیٹا سانول ہے، جب کہ زرینہ کے بیٹے کا نام راول ہوتا ہے۔ یہ دونوں سوتیلے بھائی ہونے کے باوجود سگے بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، مگر زرینہ شروع سے ہی

سازشیں اور مکاریاں کرتی رہتی ہے اور ان سازشوں کا شکار کئی مرتبہ رحیماں بھی ہوتی ہے۔ رحیماں کے گھر سے چلے جانے کے بعد زرینہ معصوم سانول پر مظالم جاری رکھتی ہے بلکہ ساری زندگی سانول سے نفرت ہی کرتی رہتی ہے۔ سانول کی شادی پر زرینہ زہر ملِا دودھ سانول کو دیتی ہے مگر وہ دودھ اُس کا اپنا بیٹا راول پی کر مر جاتا ہے، اور اس طرح زرینہ کو اُس کی مکاری اور مظالم کی سزامِل جاتی ہے۔ زرینہ کا مکاری سے سانول کو زہر دینے کا منظر ملاحظہ کریں:

سانول پُتر شادی دی کھیچل وچ پھس تے کھیر تاں تیکوں کھیں نہ ڈِتا ہوسی۔
میں سوچیم ونجاں کھیر ڈے آواں پُتر کوں۔ جگ اگوں تے کریندیاں ہویاں اے
گھِن پُتر جگ کھیر دا ہیوی۔ سمدے ویلے گھوٹ کنوار پی سمھائے۔
ایندی کیا لوڑ ہئی اماں!۔ ۔ ۔ ۔ ؟
نہ پُتر۔ ۔ شادی والی رات گھوٹ کنوار واسطے کھیر ضروری ہوندے۔ ۔ ۔ او
کنبدے ہتھاں نال جگ سانول کوں ڈے تے ولدی ول گئی۔[۵]

اس ناول میں زرینہ کو خود غرض عورت کے روپ میں دکھایا گیا ہے، جو اپنی خواہشات کی غلام ہے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کسی کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتی۔پہاج میں نذر اور رحیماں کے کرداروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ہیرو اور ہیروئن ہم نذر اور رحیماں کو کہہ سکتے ہیں۔ جب کہ ناول میں وِلن کا کردار زرینہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ رحیماں کو جو کردار یہاں دکھایا گیا ہے وہ ایک بردبار، سگھڑ اور دانا عورت کا کردار ہے، جو ہر سازش کا بڑے حوصلے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ اس ناول کی فکری سوچ یہی ہے کہ کسی کا بُرا نہیں سوچنا چاہیے۔ بعض اوقات کسی دوسرے کے لیے کھودے گئے گڑھے میں انسان خود بھی گر جاتا ہے۔

سانول فیاض حُسین قاصر فریدی کا ناول ہے، جو ۱۹۸۹ء میں چھپ کر سامنے آیا۔ اس ناول کے پلاٹ کے بارے میں ڈاکٹر اسلم عزیز دُرانی لکھتے ہیں:

ناول دا پلاٹ خاصا کسیا ہویا اے۔ پر کتھئیں کتھئیں جُولاں ڈھلیاں ہِن۔ کہانی
کہیں کہیں ویلے مصنف دے ہتھوں کھسک ویندی اے۔ واقعات دی بُنیاد
اگرچہ وسیبی ماحول اُتے ہے پر بعض جاہیں تے واقعات کوں اتفاقات دے آسرے
نال اگوں تے ٹورݨ دی کوشش کیتی گئی اے۔[۶]

سانول ایک روایتی کہانی ہے، جس میں کوئی جدت یا اچھوتا پن نظر نہیں آتا۔ اس کہانی کے ہیرو کو

لکھاری نے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ کسی ہندوستانی فلم کا ہیرو معلوم ہونے لگتا ہے۔ ناول میں مُنشی بوٹے اور اُس کے بیٹے چراغ الدین کی چالاکیاں اور سازشیں بے شک سسپنس پیدا کرتی ہیں، مگر جب اس میں بدلہ لینے کی آگ کی تپش محسوس ہوتی ہے تو کہانی کمزور ہو جاتی ہے۔ اس ناول کے ہیرو ''سانول'' کی نسبت ہمیں ''بھورل'' کا کردار زیادہ خوب صورت نظر آتا ہے۔

سارے سگن سُہاگڑے دلشاد کلانچوی کا ناول ہے، جو ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ اس کہانی میں عورت کو یہ اُمید دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ اپنی زندگی جیسے چاہے، گزار سکتی ہے۔ مگر اس کہانی میں وہی روایتی انداز اختیار کیا گیا ہے جو عام کہانی کار کا ہوتا ہے۔ اسلوب میں بھی کوئی خاص جدت نظر نہیں آتی۔ خیالات میں بھی ترتیب کا خاص خیال نہیں رکھا گیا، لیکن اس میں بیٹیوں کو پڑھانے کا اصلاحی پہلو، سماج کے منفی روّیوں سے لڑ کر زندگی گزارنے کا جذبہ اور رشتوں کی اہمیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس ناول میں فنی محاسن اور موضوعات کی بے مثال خوبیاں بھی ہمیں دیکھنے کو مِلتی ہیں۔ اس ناول کے بارے میں ڈاکٹر اسلم عزیز دُرانی لکھتے ہیں:

> کردار وی روایتی ہِن۔ ناول دیاں کڑیاں آپس اچ جُڑیاں ہویاں تاں ہِن پر ایندے اندر تجسس(Suspense) دی کمی اے۔ جیڑھا جو قاری کوں اپنڑے نال رلا کے بدھ کے رکھیندے۔[۷]

سرائیکی وسیب میں غربت کی وجہ سے بچوں کو نہ پڑھا پانے کا المیہ بھی ہمیں اس ناول میں مِلتا ہے۔ یہ بچوں کی تعلیم اور غربت کے ساتھ جُڑا ہوا ایک بڑا موضوع ہے۔ جسے دلشاد کلانچوی اپنے ناول میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> بال جے چھوٹے چھوٹے کمّاں وچ ما پیو دا ہتھ ونڈاوݨ لگ پوون تاں پیو ما کوں بالاں دے لکھاوݨ تے پڑھاوݨ دا خیال وی نہیں آندا، غریب پیو ما شودے نوکر وی تاں نہیں رکھ سگدے پر گھر وچ بال تنگ کرن، سر کھاون، تھاں بھنی تروڑی رکھن، یا کوئی نہ کوئی نقصان کیتی رکھن، تاں ول پیو ما کوں ایہو کُجھ سُجھدے جو اِنھاں کوں کہیں مدرسے سٹ ڈِتا ونجے۔[۸]

دلشاد کلانچوی نے اس ناول میں قرآنِ مجید اور سرائیکی زبان میں قدیم دینی کتابوں کا ذکر بہت خوب صورت انداز میں کیا ہے، جسے ہم موضوع کے اعتبار سے قدیم سرائیکی ادب کہہ سکتے ہیں۔ جس کا ایک

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

نمونہ ملاحظہ کریں:

اے تاں قرآن شریف کنوں علاوہ بیاں مذہبی کتاباں وی میجی کنوں پڑھی رکھدی ہئی۔ اوں ڈینھاں وچ معراج نامہ مُکا چھوڑیا، تے ول نور نامہ ختم کر گھدا، ول پکی روٹی پڑھ گھِدُس، ول نجات المومنین، رُکنِ دین وغیرہ وغیرہ۔[9]

یہ دلشاد کلانچوی کا طربیہ ناول ہے، جس کے تقریباً تمام کردار خیالی لگتے ہیں۔ ایسے ہی اس ناول کا پلاٹ بھی اتنا مربوط نہیں ہے جیسے ایک ناول کو ہونا چاہیے۔ لیکن اس میں زبان و بیان کی خوبیاں، موضوعات کی وسعت اور فنی محاسن کا تھوڑا بہت اظہار دبستانِ بہاول پور سرائیکی افسانوی نثری روایت کو خوب صورتی سے آگے بڑھاتا ہے۔ یہ ناول اُس ابتدائی دور میں لکھا گیا جب سرائیکی لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔

بھاگ سُہاگ راہی گبول کا ناول ہے، جو ۱۹۹۳ء میں چھپ کر سامنے آیا ہے۔ بھاگ سُہاگ رومانوی رنگوں سے سجا ہوا ایک اصلاحی ناول ہے۔ راہی گبول نے شعوری طور پر اس ناول کے ذریعے اپنے وسیب کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں ایک خیالی ریاست کا نقشہ بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں ایک ایسی ریاست کی تصویر پیش کی گئی ہے، جہاں جاگیرداری نظام قائم ہے۔ اس ناول میں دو ہیروز، فیصل اور محمود ہیں، جب کہ ہیروئنز بھی دو؛ ناہید اور شمع ہیں۔ یہ چاروں کردار ریاست کی بھلائی کے لیے وہاں بسنے والے لوگوں کی زندگی کو بہتر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ اس ناول پر اردو ادب کے ابتدائی ناولوں کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ نصیحت کے ساتھ ساتھ اصلاح کا اظہار بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔ اس ناول میں ہمیں جذبات نگاری، جُزئیات نگاری اور مکالمہ نگاری کے کئی رُخ نظر آتے ہیں۔ مکالمہ نگاری کی ایک مثال ملاحظہ کریں:

فیصل: شہزادی سئیں! اپنْے اِنھاں سوہنْے لباں کنْے کُجھ بولو ہا۔
شہزادی: فیصل! بولنْ دا ویلھا۔ لفظیں دی جاہ تے ڳالھیں دیاں حداں بہوں پچھی تے رہ ڳِن۔ ہُنْ تاں اساڈے جذبے ای کم کریسن۔
فیصل: سئیں! تہاڈے جذبیں دا میں بہوں احترام کریساں تہاڈے پیار کوں اوندی منزل تے پُچیساں۔ انشاء اللہ۔
شہزادی: انشاء اللہ۔[10]

راہی گبول کے اس ناول میں مقامی لوگوں کے حوالے سے کئی موضوعات اور فنی اعتبار سے کئی خوبیاں موجود ہیں، جن میں سے ایک مثال ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ یہ ناول موجود عہد میں تخلیق ہونے

والے جدید ناولوں کی نسبت ایک عام سا ناول ہے اور دبستانِ بہاول پور کی سرائیکی افسانوی نثری روایت کا اس لیے بھی بڑا اور اہم حوالہ ہے کہ راہی گبول سرائیکی نثر لکھنے والے وہ بنیادی قلم کار ہیں جنھوں نے اپنی فکری استطاعت کے مطابق گہرا افسانوی ورثہ اس دبستان کے سپرد کیا ہے۔

جھوکاں تھیسن آباد ول جمشید کلانچوی کا ناول ہے، جو ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک رومانوی ناول ہے، جس کے مرکزی کردار سلمان اور مہرو ہیں۔ اس ناول میں روہی، چولستان کا منظر نامہ، سرائیکی وسیب کے ثقافتی رنگ، غربت، دُکھ، درد اور مونجھ وغیرہ جیسے کئی موضوعات موجود ہیں۔ اس ناول کے پلاٹ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ایک عام وسیبی کہانی ہو۔ اس کہانی میں جہاں مہرو اور سلمان جیسے کچھ کردار حقیقی دکھائی دیتے ہیں، وہیں ذیشان کا ڈرامائی انداز میں سلمان کو ملنا اور پھر ہسپتال اور کالج بنانا ایک خیالی تصور معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ہمیں اس کہانی کے پلاٹ میں جھول نظر آتا ہے، لیکن اس ناول کے دونوں مرکزی کردار سلمان اور مہرو انتہائی جان دار ہیں۔ یہاں محبت اور سچائی کے جذبوں کے ساتھ ساتھ غریبی اور امیری کے فرق کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ناول میں جہاں موضوعات کا بڑا جہان موجود ہے وہیں منظر نگاری، جذبات نگاری، جزئیات نگاری، مکالمہ نگاری اور استعارہ وغیرہ جیسی کئی فنی خوبیاں اس کا حصہ ہیں۔ منظر نگاری کی ایک مثال دیکھیں:

> بس امّاں توں میڈی تانگھ وچ رہ میں گِیُم تے ولیُم۔ ۔ ۔ میڈا اُٹھ وستی قریشاں والی دا لمبا پندھ آپڈے قدماں وچ ولھیٹ گھنسی۔
> مہرو اُٹھ دی مہار تلے جھکی تے اوندی گچی اُتے پیر رکھیندی چڑھ گئی۔ جیپ دا ہارن وجیا۔ مہرو خوشی توں مردی بچی۔ او کھڑے اُٹھ توں ٹپ مریندی باہر دو بھنی۔ پر ڈیڈھی دے در کول کھڑ گئی۔"

منظر نگاری کی ایسی کئی شان دار مثالیں جمشید کلانچوی کے ناول جھوکاں تھیسن آباد ول میں موجود ہیں۔ ایسے ہی روہی چولستان سے جڑے منظر نامے جیسے جال، کرینھ، لئی، لانے، جھوکاں، ٹبڑے، ٹوبھے، جیسے کئی رنگ اس ناول کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ ناول کئی روایتی کہانیوں سے بہتر ہے اور دبستان بہاول پور کی سرائیکی افسانوی نثری روایت میں خوب صورت اضافہ ہے۔

دبستان بہاول پور کی سرائیکی افسانوی نثری روایت میں گھاڻ سلیم شہزاد کا پہلا منفرد ناول ہے جو ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ گھاڻ اپنی کہانی اور اسلوب کے اعتبار سے بالکل منفرد ناول ہے۔ جو تکنیک اس میں

استعمال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے اس دبستان کے کسی ناول میں استعمال نہیں کی گئی۔ اس ناول کے بارے میں اسلم رسول پوری کہتے ہیں:

> گھاݨ دا اسلوب سرائیکی ناول نگاری دی روایت وچ بالکل نواں ہے۔ ایں ناول دی ٹکنیک کوں صرف عالمی ادب دا قاری بہتر طور تے سمجھ سگدے۔[۱۲]

یہ پاکستان کے سیاسی منظر نامے میں لکھا گیا ناول ہے جس کے کردار علامتوں، تشبیہات اور استعاروں کی شکل میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس ناول میں پاکستان میں ہونے والے ڈرون حملے، ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ اور ملالہ یوسف زئی پر حملے جیسے کئی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

اس ناول کے کردار مچھر مکھیاں اور بھڑ ہیں۔ ایک انسان زہری نیلو مرکزی کردار کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ زہری لُٹے پٹے خاندان کا فرد ہے جس کا والد زہری اور اس کی والدہ کو چھوڑ کر کہیں چلا جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو نیلو اصل میں یہی وسیب ہے یہی دھرتی ہے، جو اِن بیگانے لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے جو اس کے بالکل خیر خواہ نہیں ہیں۔ جو لوگ اس دھرتی اور یہاں رہنے والے مقامی لوگوں کا خون نچوڑ کر پی رہے ہیں۔ یہ ناول اپنے پلاٹ، کرداروں اور موضوع کے اعتبار سے ایک بڑا ناول ہے۔ اس خوب صورت ناول میں فکری حوالے سے کئی خوبیاں موجود ہیں۔ فن کا بے مثال حسن اور علامت نگاری کا ایک جہان یہاں موجود ہے۔ ناول گھاݨ میں علامت نگاری کی جھلک دیکھیں:

> ہک بندے آکھیا! میاں کیا سُچیندے پئے او، او تاں زہری ہے ڈوجھا تاں نئیں اوندا کُجھ کرو۔
> اساں کیا کروں، سارے ہِکی وار بولے۔
> تُساں ای کُجھ کریسو، نہ تاں او اونکوں مار گھتیسی۔
> اساں تاں نسے ویندے، او سارے ول الائے۔[۱۳]

علامتی انداز میں لکھا جانے والا یہ ناول گھاݨ سرائیکی زبان اور ادب کے ساتھ ساتھ دبستان بہاول پور کی سرائیکی افسانوی نثری روایت میں ایک منفرد تجربے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ سرائیکی ناول نگاری میں ایک نیا رُخ ہے، جو روایت شکنی کے بعد اپنے نئے اظہار کے ساتھ سرائیکی وسیب میں سامنے آیا ہے۔ اس ناول کو جو چیز منفرد بناتی ہے وہ اس کا اسلوب، انداز بیان اور موضوع ہے۔ اس ناول کو سلیم شہزاد نے نہ صرف یہ کہ پورے دھیان سے لکھا ہے بلکہ ناول کے بنیادی اصولوں کا بھی خاص خیال رکھا ہے جو ایک

معیاری ناول کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

سلیم شہزاد کا دوسرا ناول پلوتا ہے، جو ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ پلوتا بھی گھاٹ کی طرح جدید انداز میں لکھا گیا ناول ہے۔ جیسے گھاٹ میں سلیم شہزاد نے وسیب کے کرب کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے ویسے ہی پلوتا کو بھی عالمی منظر نامے کو سامنے رکھ کر تخلیق کیا گیا ہے۔ پلوتا ایک تاریخی ناول ہے جو گھاٹ کی طرح روایت سے ہٹ کر لکھا گیا ہے۔ گھاٹ میں مچھر، مکھیوں اور بھڑوں کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا تھا جب کہ پلوتا میں بارش اور خواب وغیرہ کی علامتوں کے ذریعے کہانی بیان کی گئی ہے۔

سلیم شہزاد نے طبقات کو اتوار دربار کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس انداز میں ان طبقات کے خلاف مزاحمت دبستان بہاول پور کے پہلے کسی ناول میں نظر نہیں آتی۔ پلوتا جیسے فکری طور پر بڑا اور خوب صورت ناول ہے اسی طرح اس میں موجود علامت نگاری کی بھی بہت سی خوبیاں ہیں۔ علامت نگاری کا ایک نمونہ ملاحظہ کریں:

> آہدن پنج ہزاری دے پُتریں وچوں پگھر دیاں پھینگاں ڈھاندن۔ نانگ دے شُکار نال اوندی اکھ ول پٹیندی اے۔ ہک ناگ اپنٹی کھڈ وچ وڑدا پئے تے وٹ توں خمیس دی جھڑی تلے لہندی پئی اے۔[۱۴]

سلیم شہزاد کا ناول پلوتا ایک تاریخی ناول ہے جس میں سرائیکی وسیب کی کتھا سے لے کر عالمی مسائل تک کا بھرپور اظہار موجود ہے۔ یہ دوسرا ناول ہے جو روایت شکنی کے وجود میں دکھائی دیتا ہے۔ پلوتا نہ صرف سرائیکی ناولوں میں اچھا اضافہ ہے بلکہ یہ سرائیکی ناول نگاری کو اس خطے میں موجود دوسری علاقائی زبانوں کے ادب میں اونچے مقام پر فائز کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا اسلوب جتنا جدید اور شان دار ہے اس کی کہانی اتنی ہی دل چسپ ہے۔ یقیناً سلیم شہزاد دبستان بہاول پور کی جدید افسانوی نثری روایت کے بانیوں میں تصور کیے جائیں گے۔

دبستان بہاول پور میں حفیظ خان کا پہلا سرائیکی ناول ادھ ادھورے لوک ہے۔ یہ ایک تاریخی اور رومانوی ناول ہے۔ جس کے مرکزی کردار تلسی اور فیاض ہیں۔ یہ کہانی تاریخ کو بیان کرنے والی ایک بڑی کہانی ہے، جس میں تلسی اور فیاض جیسے بڑے کردار محبت کی سچائی میں امر ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح حکیم رام لعل کی اپنی دھرتی سے محبت اور جُرأت بھی اس کردار کو ناول میں اہم بناتی ہے۔ اس ناول

میں فکری حوالے سے جہاں ہجرت کے مسائل، دھرتی سے محبت، مذہب کی وجہ سے انسانوں میں ہونے والی دوریاں اور جدائیاں، عورت کی بے بسی اور یک طرفہ محبت کا کرب ظاہر ہوتا ہے وہیں اپنی ہی زمین پر غلامی مسلط کر دیے جانے کا دکھ اور آزادی کی جنگ کے لیے مقامی بندے کی جدو جہد وغیرہ بھی اس ناول کے بڑے فکری موضوعات ہیں۔ حفیظ خان اپنے اس ناول ادھ ادھورے لوک میں واقعات نگاری پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کریں:

> جون ۱۹۴۷ء دے بعد تاں ہندوستان دے سیاسی واقعات دی رفتار کُجھ اتنی تیز تھی گئی جو سویر شام دا اعتبار نہ رہ گیا۔ عام لوکاں واسطے خبر دا کوئی خاص ذریعہ نہ ہا۔ تہوں ہر پاسے افواہواں دے جکھڑ جھولے چلدے راہندے۔ ہک ادھ بندہ جیندی پہنچ اخباراں یا آل انڈیا ریڈیو نال ہوندی ہئی اُونے وی لوکیں تک پُچاونڑی تاں گھاڑویں خبر ای پُچاونڑی۔ جیندے نال ریاستی خلقت خاص طورتے اقلیتی برادری وچ پریشانی ہئی وی زیادہ تھی ویندی۔[۱۵]

حفیظ خان کے ناول ادھ ادھورے لوک میں جذبات نگاری کا بھی شان دار رنگ موجود ہے۔ جذبات نگاری کے حوالے سے ایک نمونہ یہ بھی ہے:

> کمرے وچ ونجڻ دے بعد تُلسی دا دل کریندا پیا ہا جو دھاڑاں مار مار تے ایں طرحاں رووے جو فیاض آپ کنوں آپے اوندے کمرے ڈو چھکیا آوے تے او خود اوندے پیراں وچ بہہ تے سبھو حال کھول سُڻاوے۔ او ڈسے جو اُونے کیں طرحاں اوکوں آپڑیں اندر دی عورت دا موبھی مڻے۔ او ڈسے جو عورت دا پیار کیا ہوندے تے او پیار کریندی کیکوں ہے۔[۱۶]

حفیظ خان کے ناول ادھ ادھورے لوک میں کئی موضوعات اور فنی اعتبار سے کئی خوبیاں موجود ہیں۔ یہ دبستان بہاول پور کی سرائیکی افسانوی نثری روایت ایک بڑا اور تاریخی ناول ہے جس میں ناول کی بنیادی خصوصیات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ یہ ایک شان دار ناول ہے جس کی کہانی، پلاٹ، کردار، منظر نگاری، واقعات نگاری، تشبیہ اور علامتوں کا ایک پورا جہان موجود ہے۔ ہم دبستان بہاول پور کی جدید سرائیکی افسانوی نثری روایت میں سلیم شہزاد اور حفیظ خان کے ناولوں کو وہ بنیادی ناول کہہ سکتے ہیں جن کی بنیاد پر سرائیکی افسانوی ادب مزید خوب صورت ہو گا۔

دبستان بہاول پور کی سرائیکی افسانوی نثری روایت کو آگے بڑھانے میں ان دس ناولوں نے اہم

کردار ادا کیا ہے۔ ان ناولوں میں روایتی رنگ اور جدت کا بہترین اظہار موجود ہے۔ اس کے علاوہ فنی خوبیوں کے حوالے سے بھی ناول شان دار ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ظفر لاشاری، نازو (احمد پور شرقیہ: سرائیکی انسٹیٹیوٹ آف لینگویج، آرٹ اینڈ کلچر، طبع سوم، ۲۰۲۲ء)، ۲۹۔

۲۔ ایضاً، ۲۷۔

۳۔ ڈاکٹر اسلم عزیز دُرانی، سرائیکی ناول نگاری (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ (رجسٹرڈ)، طبع دوم، ۲۰۱۹ء)، ۱۰۲۔

۴۔ پروفیسر زوار حُسین، "پہاج دا ہک کردار رحیماں"، مشمولہ: سہ ماہی سرائیکی، جلد ۲، شمارہ ۳ (بہاول پور، جنوری تا مارچ ۱۹۹۰ء): ۵۹۔

۵۔ ظفر لاشاری، پہاج (ملتان: جھوک پبلشرز، طبع سوم، ۲۰۱۸ء)، ۳۳۳۔

۶۔ ڈاکٹر اسلم عزیز دُرانی، سرائیکی ناول نگاری، ۱۳۳۔

۷۔ ایضاً، ۱۴۰۔

۸۔ دلشاد کلانچوی، سارے سگن سہاگڑے (بہاول پور: اکادمی سرائیکی ادب، ۱۹۹۱ء)، ۳۱۔

۹۔ ایضاً، ۳۴۔

۱۰۔ راہی گبول، بہاگ سہاگ (بھونگ شریف: سرائیکی ادبی اکیڈمی، ۱۹۹۴ء)، ۱۴۸۔

۱۱۔ جمشید کلانچوی، جھوکاں تھیسن آباد ول (بہاول پور: اکادمی سرائیکی ادب، ۲۰۰۰ء)، ۹۹-۱۰۰۔

۱۲۔ اسلم رسول پوری، سرائیکی تنقید تے مابعد نوآبادیاتی نظریہ (رسول پور: سرائیکی پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ۹۹۔

۱۳۔ سلیم شہزاد، گھانڑ (ملتان: جھوک پبلشرز، ۲۰۱۲ء)، ۲۱-۲۲۔

۱۴۔ سلیم شہزاد، پلوتا (ملتان: ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ۲۰۱۷ء)، ۲۳۔

۱۵۔ حفیظ خان، ادھ ادھورے لوک (ملتان: ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ۲۰۱۸ء)، ۸۲-۸۳۔

۱۶۔ ایضاً، ۱۱۲۔